© rasailojaraid.com

اور جو نتائج نکلتے ہیں ان کو مانو اور پھر ان پر عمل کرو۔ قرآن مجید یسمعون، یتفکرون اور یتذکرون کی تلقین کرتا ہے جب کہ صوفیاء کی دعوت اس کے برعکس ہے۔ مزید براں صوفیا اپنی باتوں کے حق میں کوئی دلیل نہیں دیتے بلکہ کہتے ہیں کہ تجربہ کر کے دیکھو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی باتیں عقل کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتیں۔

مولانا اصلاحی گہری سیاسی بصیرت کے مالک تھے۔ جنوری ۱۹۵۸ء میں جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد انھوں نے جماعت کے مستقبل کے متعلق جس رائے کا اظہار کیا تھا وہ بعد میں حیرت انگیز طور پر درست ثابت ہوئی حالانکہ اس وقت یہ سمجھا گیا کہ شاید مولانا نے غصہ میں یہ بات کہدی ہے۔ ۱۹۷۰ء میں ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں جماعت اسلامی کا جلسہ درہم برہم کر دیا گیا اور جماعت کے کئی کارکن شہید کردئے گئے تو مولانا سخت دل گرفتہ ہوئے اور انھوں نے کہا کہ یہ ملک اب متحد نہیں رہ سکتا کیونکہ جماعت اسلامی ہی مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان پل تھی۔ یہ پل اب ٹوٹ گیا ہے۔ اس کے ایک سال بعد ہی ملک ٹوٹ گیا۔

یہ نابغہ روزگار شخصیت صرف علم و فضل ہی میں یکتا نہیں تھی بلکہ ان کا عمل بھی قرآن و سنت کے مطابق تھا۔ مولانا نے کبھی سائل کو واپس نہیں کیا۔ جو کچھ میسر ہوا اسے دیدیا۔ وہ انتہائی متواضع اور مہمان نواز تھے۔ رحمان آباد جیسے پسماندہ گاؤں میں جب باہر سے لوگ ان کے پاس ملنے جاتے تو گاؤں میں کھانے پینے کی جو چیز میسر ہوتی دسترخوان پر چن دیتے۔ مولانا ہر حال میں راضی برضا رہے۔ مولانا کے بیٹے ابو صالح اصلاحی روزنامہ مشرق کے ایڈیٹر تھے۔ مئی ۱۹۶۵ء میں قاہرہ کے نزدیک پی آئی اے کی افتتاحی پرواز کے حادثہ میں ان کا بھی انتقال ہو گیا جس کا مولانا کو شدید دکھ ہوا۔ وہ کہتے تھے کہ ابو صالح نے میرے دل میں قبر بنائی ہے۔ جب دوست، احباب، اعزہ و اقربا اور قدردان تعزیت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سب خاموش بیٹھے رہے کہ کس طرح دلجوئی کریں۔ آخر مولانا نے خود ہی سکوت کو توڑا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی۔ اس کی حکمت بھی یہی تھی اور یہی ہونا تھا۔ اس کے بعد مولانا اٹھ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چلے گئے اور نماز پڑھنے لگے۔ وہ برابر اپنے رب سے صبر کی دعا کرتے رہے۔ غمگساروں کے درمیان بیٹھے ہوئے جب بھی دل بھر آتا اٹھ کر نماز پڑھنے چلے جاتے اور استقامت اور صبر کی دعا کرتے۔

مولانا دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے دور رہے۔ سرکاری مناصب قبول نہیں کیے۔ ان کی بزم ان کے اندر آراستہ تھی۔ انھوں نے شدید بیماری بھی جھیلی، جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کیں، دوسری مشکلات کا بھی سامنا کیا اور ہر آزمائش میں ثابت قدم رہے۔ خدا کے شاکر و صابر بندے بن کر جئے۔ قرآن سیکھا اور سکھایا، حدیث سیکھی اور سکھائی۔ جو لکھنا تھا وہ لکھا۔ پھر جینے میں کیا لذت باقی رہ گئی تھی۔ تہجد ان کا محبوب وقت تھا اسی وقت اپنے رب کے پاس واپس چلے گئے۔ کل من علیھا فان۔

اللہ تعالیٰ نے سابقون اولون کے لئے جنت نعیم کا وعدہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں داخل ہونے والے ثلة من الاولین وقلیل من الآخرین ہوں گے۔ اللہ تعالی کی رحمت سے بعید نہیں کہ وہ اپنی کتاب کے اس خادم کو قلیل من الآخرین میں شامل فرمالے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا امین احسن اصلاحی کا اسلوب نگارش

محمد الیاس اعظمی

مدرسۃ الاصلاح کے مایہ ناز فرزند اور مولانا حمید الدین فراہی علیہ الرحمۃ کے علوم و افکار کے شارح اور ترجمان مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا سب سے ممتاز اور عظیم الشان کارنامہ ان کی تفسیر تدبر قرآن ہے جو دراصل ان کے استاذ مولانا فراہیؒ کے فیض تربیت کا ثمرہ ہے، جس کی وجہ سے ان کو قرآن مجید اور علوم قرآنیہ سے ایسا والہانہ شغف اور تعلق خاطر پیدا ہوا جو ان کی زندگی کا ہی حاصل بن گیا۔ وہ قرآن پاک کے بحر ناپیدا کنار میں مدۃ العمر غوطہ زن رہے اور اس کے علوم و معارف کے لعل و گہر سے نہ صرف خود شادکام ہوتے رہے بلکہ ایک عالم کو اس کی برکات سے فیض یاب کرتے رہتے۔

مولانا اصلاحی کی طویل علمی زندگی کے اور بھی متعدد پہلو ہیں ان کی حیات و تالیفات پر اگر ایک سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ وہ بہ یک وقت محدث، مفکر، محقق، صحافی اور مترجم تھے اور ساتھ ہی ایک بڑے داعی اور مصلح بھی تھے، موضوعات کے تنوع کے باوجود جو خوبی ان سب میں مشترک اور نمایاں ہے وہ ان کا ادیبانہ اور انشاپردازانہ رنگ ہے جو ان کی جملہ تحریروں میں بہت ابھرا ہوا ہے۔ آئندہ سطروں میں اسی پہلو سے ان کی تحریروں کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

مولانا اصلاحی کو ادب و انشا سے ابتداء ہی سے بڑی دلچسپی تھی۔ طالب علمی کے زمانہ میں ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ ادیب و انشاپرداز بنیں چنانچہ ایک روایت کے مطابق زمانہ طالب علمی میں جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ ان کے سامنے مستقبل کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا خاکہ ہے اور وہ کیا بننا چاہتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ 'ادیب الہند۔'

مولانا اصلاحی نے جس دیار میں آنکھیں کھولیں وہ علامہ شبلی کا دیار تھا اور جس ماحول و فضا میں ان کی پرورش و پرواخت ہوئی وہ علامہ شبلی اور مولانا فراہی کے انفاس پاکیزہ سے معطر تھی۔ اس ماحول اور فضا نے ان کی ادبی اٹھان میں بلاشبہ بڑا اہم کردار ادا کیا۔ چوں کہ ان کے مزاج میں ادب کی طرف رجحان فطری طور پر ودیعت ہوا تھا اس ماحول سے بھرپور طور پر مستفید ہوئے۔ پھر تعلیم سے فراغت کے بعد ان کو ایسا ماحول ملا جس میں ان کی ادبی صلاحیتوں کو پروان چڑھنے کے بڑے مواقع تھے (۲)۔ مولانا کی علمی زندگی کا آغاز صحافت سے ہوا اور وہ اس وقت کے مشہور اخبار مدینہ بجنور سے وابستہ ہوئے جو اس زمانہ کے اہم اخبارات میں شمار ہوتا تھا اور اس کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا۔

مولانا نے مدینہ کے دفتر سے نکلنے والے بچوں کے رسالے غنچہ کی بھی ادارت کی، مدینہ گو ایک اخبار تھا تاہم آج کے اخبارات سے اس کا موازنہ درست نہ ہوگا۔ اس میں علمی، ادبی اور سیاسی تحریریں شائع ہوتی تھیں اور اس کی بزم میں معیاری زبان لکھنے والوں ہی کو ہی بار ملتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دور کی پوری صحافت پر معیاری زبان لکھنے والوں کا غلبہ تھا چونکہ مولانا اصلاحی کا ذوق ابتدا ہی سے علمی و ادبی تھا اس لئے انھوں نے اس دور میں علمی، ادبی اور سیاسی مضامین ہی لکھے۔ ان کی یہ ابتدائی تحریر راقم الحروف کو دستیاب نہ ہو سکیں اس لئے اس دور میں ان کے ادبی رنگ و آہنگ کے بارے میں کچھ کہنا ممکن نہیں۔ اس وقت ملک میں علمی صحافت کا بول بالا تھا۔ ایک طرف مولانا سید سلیمان ندویؒ کا سحر طراز قلم ''معارف'' کے ذریعہ علمی صحافت کی تاریخ بنا رہا تھا تو دوسری طرف مولانا ابوالکلام آزاد کی ہلالی انشا پردازی کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ لکھنؤ میں مولانا عبدالماجد دریابادی اپنے خاص اسلوب نگارش سے ایوان صحافت کے نقش و نگار سنوار رہے تھے ملک کے دوسرے اہل قلم بھی اپنے صحافتی فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھے، اس علمی صحافت کے ماحول سے مولانا اصلاحی کا متاثر ہونا فطری بات ہے۔

مدینہ کے بعد مولانا اصلاحی نے علمی صحافت میں ایک قدم اور آگے بڑھایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مشہور ادیب وانشاپرداز مولانا عبدالماجد دریابادی کے اخبار "سچ" سے وابستہ ہو گئے۔ مولانا دریابادی بنیادی طور پر ادیب تھے علامہ شبلی کی شخصیت ان کے لئے مثالی اور آئیڈیل کی تھی، تصنیف وتالیف کی تربیت انھیں سے پائی تھی، بعد میں انھوں نے اپنا ایک خاص اسلوب نگارش ایجاد کیا جو انھیں پر ختم ہو گیا۔ مولانا اصلاحی کی سچ اور مدیر سچ سے وابستگی کی روشنی میں یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس ابتدائی دور میں ان کے قلم پر مولانا دریابادی کا شاید کچھ اثر پڑا ہو، چونکہ اس زمانہ کی سچ کی فائلیں دستیاب نہ ہو سکیں اس لئے مولانا کی ان تحریروں کے متعلق بھی اظہار خیال ممکن نہیں اگر ان کے انداز بیان اور اسلوب نگارش پر اس دور میں دریابادی انشاپردازی کے کوئی اثرات مرتب بھی ہوئے ہوں تو وہ بظاہر وہیں تک محدود رہ گئے۔ ان کی بعد کی تحریریں ایسے کسی اثر سے یکسر خالی ہیں۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا کے اسلوب پر علامہ شبلی کا جو رنگ چڑھ چکا تھا اس پر کوئی اور رنگ اثر نہ کر سکا۔

۱۹۲۵ء میں مولانا اصلاحی مولانا فراہیؒ سے خاص قرآنی علوم کی تحصیل و تکمیل کے لئے مدرسۃ الاصلاح آئے اور مولانا فراہی کی وفات (۱۹۳۰ء) تک قرآنی علوم کے ساتھ ادب عربی، نحو وبلاغت اور فلسفہ جدیدہ وغیرہ کی تحصیل اس طرح کی کہ فکر فراہی کے سب سے بڑے حامل ووارث قرار پائے۔

مولانا فراہی کی وفات کے بعد ان کے علمی کاموں اور ان کے علوم وافکار نیز تصانیف کی اشاعت کے مقصد سے جب ۱۹۳۶ء میں دائرہ حمیدیہ کی تاسیس عمل میں آئی تو اس کے روح رواں مولانا اصلاحیؒ تھے۔ مولانا فراہی کے تفسیری اجزاء کے علاوہ ان کی متعدد تصانیف کے اردو تراجم جس میں امعان فی اقسام القرآن اور الرای الصحیح فی من ھوالذبیح شامل تھی، اس دور کی یادگار ہیں۔ ان تراجم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مصنف کے مفہوم ومنشا کو اس کامیابی سے اردو کے قالب میں منتقل کرتے ہیں کہ ترجمہ پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ پیچیدہ ترین علمی بحثوں میں بھی زبان کی سلاست اور روانی پر حرف نہیں آیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۳۶ء ہی میں مولانا کے علوم وافکار کی توسیع واشاعت کے مقصد سے ماہنامہ الاصلاح کا اجراء ہوا۔ یہ رسالہ گوکہ صرف چار سال ہی تک جاری رہ سکا اور ۱۹۳۹ء میں اسے بند کردینا پڑا لیکن اس مختصر مدت میں اس نے اپنا ایک مقام بنالیا تھا اور علمی دنیا میں اس کا بڑا معیار قائم ہوگیا تھا۔ افکار فراہی کی اشاعت میں بھی الاصلاح کی خدمات سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

رسالہ الاصلاح میں انھوں نے اپنی پہلی تصنیف "مبادی تدبر قرآن" کا سلسلہ بھی شروع کیا، سلسلہ مضامین کے علاوہ یہ رسالہ ان کی ادارتی تحریروں سے بھی مزین رہا، اہم حالات وواقعات کے ساتھ اس وقت کے ممتاز اشخاص اور اہل علم وقلم کی وفات پر وفیاتی نوٹ بھی لکھے، دوسرے اہل علم کی تحریریں بھی شائع کیں۔ اس طرح اسے ایک معیاری مجلہ کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

مولانا اصلاحی کی اس دور کی تحریروں پر دبستان شبلی کا واضح اثر نظر آتا ہے، الاصلاح کے شذرات کا تقریباً وہی انداز اور رنگ وآہنگ ہے جو معارف کا نشان امتیاز رہا ہے۔ ارباب نظر مولانا سید سلیمان ندوی کی تحریروں کی سادگی و پرکاری سے بخوبی واقف ہیں اس کی روشنی میں شذرات اصلاحی کا ایک شذرہ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ دونوں کے اسلوب نگارش میں کتنی یکسانیت اور ہم آہنگی محسوس ہوتی ہے اردو اور ہندی کے تنازعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ہندوستان کی مشترک زبان کے سلسلہ میں اردو اور ہندی کا جھگڑا ایک عرصہ سے چل رہا تھا اور جیسا کہ توقع تھی فریقین کے خیالات ومطالبات جس قدر کھلتے جاتے ہیں بحث کی ناگواری اور تلخی اور پھر اتفاق رائے کی طرف سے مایوسی اسی قدر بڑھتی جاتی ہے بلکہ اندیشہ ہے کہ شاید یہ فتنہ پچھلے تمام فتنوں سے بڑھ جائے اور میل ملاپ کی امیدیں جو آج بھی ایک خواب خرگوش سے زیادہ نہیں ہیں ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائیں۔ بلاشبہ ایک مشترکہ زبان کا تخیل نہایت اعلیٰ تخیل ہے۔ آزاد ہندوستان کے لئے یہ ایک ایسی ضروری چیز ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اس کے بغیر آزادی کے صحیح نصب العین تک پہونچنا ناممکن ہوگا لیکن موجودہ حالات میں توقع نہیں کہ فریقین میں کوئی سمجھوتہ ہو سکے مسلمان اردو نہیں چھوڑ سکتے اور نہ ہندو ہندی سے دستبردار ہو سکتے اردو کے حامیوں کو کوشش کرنی چاہئیے کہ زبان زیادہ سے زیادہ ستھری اور نظیف ہو جائے۔ باقی رہا یہ کہ ہماری مشترکہ زبان کیا ہوگی اس کا فیصلہ مستقبل کریگا اور یقیناً زمانہ اردو کے قدرتی حقوق ترجیح کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔"(۱)

مولانا سید سلیمان ندویؒ کے علم و فضل کا شہرہ نصف النہار پر تھا، وہ عمر میں بھی مولانا اصلاحی سے بڑے تھے تاہم ایک دوسرے سے بڑے مخلصانہ مراسم تھے۔ اس باہمی ربط و تعلق کی ایک وجہ یہ تھی کہ مولانا اصلاحی افکار فراہی کے امین تھے اور سید صاحب مولانا فراہی کے بھائی اور استاذ علامہ شبلی کے جانشین اور دارالمصنّفین کے بانی صدر تھے، اس طرح اس شجرہ طیبہ کے برگ وبار کا باہمی تعلق قدرتی ہی کہا جائیگا۔ مولانا اصلاحی سید صاحب اور مولانا عبدالسلام ندوی سے جو علامہ شبلی کی تحریروں کے سب سے بڑے مقلد و متبع تھے، ملاقات کے لئے برابر دارالمصنّفین آتے۔ سید صاحب بھی اصلاح جایا کرتے تھے۔ یہ قربت و تعلق اور ہم آہنگی خیالات کے ساتھ طرز نگارش پر بھی اثر انداز ہوئی ہو تو کیا تعجب۔ مبادی تدبر قرآن کا جو ان کی ابتدائی تصنیف ہے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

کل تک سمندروں میں بادبانی کشتیاں چلتی تھیں اور سمندر کا سفر کرنے والے جان کی بازی کھیل کر سفر کرتے تھے۔ اب ان کی جگہ دخانی جہازات نے لے لی ہے جن کی وجہ سے بحری سفر کی بے پایاں مشکلات ایک بڑی حد تک قابو میں آگئیں ہیں۔ لیکن سمندر پھر بھی سمندر ہی رہا خشکی نہیں بن گیا۔ یہی حال ہماری روحانی اور اخلاقی دنیا کا بھی ہے۔ قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے ہم خدا کی معرفت کے سمندر کو گویا بادبانی کشتیوں کے ذریعہ طے کرتے تھے اور اس سفر میں بے شمار خطرات اور بے شمار آفتوں سے دوچار ہوتے تھے لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے اس سمندر کے لئے وہ سفینہ بھیج دیا جو تکمیل کار کا بالکل آخری نمونہ ہے۔ اس نے تمام بر اعظموں کی سرحدیں ملادیں، سمندر کی تمام ہولناکیاں مسخر کر لیں، موجوں، طوفانوں اور برف کی چٹانوں کو زیر کر لیا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن سمندر پھر بھی سمندر ہی رہا اپنے مکان کا صحن نہیں بن گیا۔ (۲)

اہل علم جانتے ہیں کہ ''مبادی تدبر قرآن'' کا موضوع ایسا نہیں ہے کہ اس میں ادبی رعنائی اور گل کاری کے لئے بہت زیادہ گنجائش نکالی جا سکے تاہم مولانا اصلاحی کے قلم کی گل افشانیاں اس ابتدائی تصنیف میں بھی نمایاں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

''تصریف ریاح کی حقیقت کیا ہے؟ ایک ہوا ہے لیکن اس کے تصرفات کی گوناگونی کی کوئی حد نہیں، وہ رحمت بھی ہے اور نقمت بھی، کبھی آہستہ چلتی ہے اور چمن میں پھولوں کو کھلاتی اور کھیتوں میں فصلوں کو پکاتی ہے، کبھی سموم بن کر نمودار ہوتی ہے اور چمنستانوں اور باغوں کو دشت و صحرا بنا کر چھوڑ دیتی ہے اور کبھی بادلوں کو اپنے کندھوں پر لاد کر لاتی ہے جو تمام زمین کو جل تھل کر دیتے ہیں، کبھی ان کو ہنکا کر لے جاتی ہے اور ان کو ہنکا کر لے جانے میں ہی زمین والوں کے لئے خیر و برکت ہوتی ہے، صبح سے شام تک، شام سے صبح تک اور پھر سال کے مختلف مہینوں میں نہ جانے کتنے بھیس بدلتی ہے اور اس کا ہر بھیس اس کائنات کی زندگی اور نشو و نما کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ وہ کبھی گرم ہوتی ہے کبھی سرد، کبھی خشک ہوتی ہے کبھی تر، کبھی آندھی اور طوفان کی ہولناکی بن کر نمودار ہوتی ہے، وہ کبھی نسیم صبح کی جاں نوازی اور عطر بیزی بن کر۔'' (۳)

مولانا اصلاحی نے اسی زمانے میں مولانا فراہی کی تفسیر نظام القرآن اور چند دوسری تصانیف کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ان ترجموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں فن ترجمہ نگاری پر مکمل عبور حاصل تھا، خود ان کا خیال تھا کہ مترجم در حقیقت وہ ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصنف کا مدعا اچھی طرح سمجھ کر صحیح مفہوم ادا کرے۔(۴)

مولانا اصلاحی کے ترجمے اس اصول کا اعلیٰ ترین نمونہ قرار دیئے جا سکتے ہیں وہ مولانا فراہی کے فکر سے پوری واقفیت رکھتے تھے، ان کے طرز نگارش کے رمز شناس تھے اور اردو میں ان کی کامیاب ترجمانی کی صلاحیت رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کے قلم سے مولانا فراہی کی کتابوں کے یہ ترجمے اس قدر سلیس و رواں ہیں کہ ان پر اصل کا دھوکہ ہوتا ہے۔ شگفتگی، شستگی اور قدرت زبان و بیان سطر سطر سے واضح ہے، سورہ کوثر کی تفسیر کے اردو ترجمہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں:

یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ کسی خاص سرزمین کے متعلق یہ اعلان کردے کہ اس پر اس کی سلطنت ہمیشہ قائم رہے گی اور اس کے اعداء اس سرزمین سے ہمیشہ محروم رہیں گے، زمانہ کے سیل حوادث کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ بڑی بڑی بادشاہتیں اور بڑے بڑے سلاطین اس کے بہاؤ میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے لیکن قرآن نے سورہ کوثر میں جو اعلان کیا اس کو زمانہ اب تک باطل نہ کر سکا۔(۵)

مولانا فراہی کی جن کتابوں کو مولانا اصلاحی نے اردو میں منتقل کیا ان میں امعان فی اقسام القرآن بھی شامل ہے۔ اہل نظر واقف ہیں کہ یہ کتابیں بڑے دقیق علمی مسائل و مباحث پر مشتمل ہیں جن کو کسی اور زبان میں کامیابی سے کسی اور زبان میں منتقل کرنا خاصا دشوار ہے۔ لیکن اس میں بھی زبان و بیان پر ان کی دسترس صاف نظر آتی ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

قرآن کی قسموں پر غور کرنے والے کو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ ان میں پہلے کوئی ایسی بات سامنے آتی ہے جو انسان کو عقل کے استعمال پر آمادہ کرتی ہے اور پھر اصل دعوے کی طرف نہایت لطافت اور تدریج کے ساتھ رہنمائی کرتی ہے۔ مثلاً ذاریات میں پہلے ذاریات (غبار اڑانے والی ہوائیں) کی قسم کھائی اس کے بعد آہستہ آہستہ فرمایا فالمقسمٰت امرا۔"(۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے رسالہ ترجمان القرآن کا جب علمی حلقوں میں غلغلہ بلند ہوا اور ان کی تحریروں نے مشاہیر علما کو متاثر کیا تو ان میں ایک مولانا اصلاحی بھی تھے جو سید مودودی کے افکار و جذبہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ جب مولانا مودودی نے جماعت اسلامی کی تشکیل کی تو اس کو لبیک کہنے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی اور پھر مسلسل سولہ سترہ برس تک مولانا مودودی کے دست راست، ہمدم و ہمراز اور تحریک اسلامی کے دوسرے سب سے بڑے قائد رہے۔ اس دور میں انھوں نے جو علمی و دینی اور مذہبی خدمات انجام دیں وہ جماعت اسلامی کی تاریخ کا روشن باب ہے۔

اس زمانہ میں انھوں نے ترجمان القرآن میں متعدد علمی و دینی اور دعوتی و تحریکی مضامین سپرد قلم کیے۔ ترجمان القرآن کے بعض اشارات بھی لکھے۔ جب وہ مولانا مودودی کے حلقہ اثر میں آئے تو اس وقت ایک صاحب فکر عالم اور صاحب طرز مصنف کی حیثیت سے ان کی شناخت قائم ہو چکی تھی۔ چنانچہ اب اس کا کچھ زیادہ موقع تو نہ تھا کہ مولانا مودودی کے انداز بیان و اسلوب نگارش سے وہ متاثر ہوتے اور اس کی جھلک ان کی تحریروں میں واضح طور پر نظر آتی۔ البتہ ایسا ضرور محسوس ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دونوں اکابر کی سرگرمیاں، خیالات، مقاصد ایک ہونے کے باعث زبان و بیان، لب و لہجہ اور طرز و تحریر میں بھی بڑی یکسانیت اور یک رنگی پیدا ہو گئی تھی۔ ایک اقتباس جو ترجمان القرآن کے اشارات کا حصہ ہے ملاحظہ ہو:

> "ایک سچے داعی حق کے اندر تبلیغ حق کی ایک خواہش خود ہی دبی ہوئی ہوتی ہے۔ جو اتنی قوی ہوتی ہے کہ اللہ کی بخشی ہوئی حکمت اگر اس کی نگرانی نہ کرے تو صبر و انتظار اور تدریج و ترتیب کے حدود و قیود کی وہ کبھی پابند نہ رہ سکے۔ اس خواہش کو یہ دو طرفہ مطالبہ جب مشتعل کر دیتا ہے تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ داعی میانہ روی کی اس روش سے ہٹ جاتا ہے جو اس کے مقصد کی حقیقی کامیابی اور جماعت کی صحیح تربیت کے لیے ضروری ہے۔ ہر چند حق کی صحیح قدر شناسی کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کے لئے آدمی کے ندیدوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> کی سی بھوک ہو جو اسے مضطرب بھی رکھے، بے صبر بنادے اور جلد بازی پر بھی مجبور کردے لیکن حق کی قدر شناسی اور محبت کے مطالبہ سے جماعت کی تربیت کا مطالبہ کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اس وجہ سے ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان صحیح توازن قائم رکھے۔ اگر پہلی چیز کا تقاضا اس کو جلد بازی کے لئے بے چین کردے تو چاہئے کہ دوسری چیز کا مطالبہ اس کو انتظار پر مجبور کرے۔ اگر اعلان حق کا شوق اور جماعت حق کا جذبہ اسکو اکسائے کہ وہ نہ اہل شوق کو تشنہ چھوڑے نہ معاندین پر اتمام حجت میں کوئی کسر باقی رہنے دے تو چاہئے کہ تربیت کے اہتمام کے لئے وہ اس پر بھی نظر رکھے کہ کہیں شراب قدح خوار کے ظرف سے زیادہ نہ ہونے پائے۔ (۷)

اسی زمانہ میں ان کی معروف تصنیف ''تزکیہ نفس'' شائع ہوئی جس کی مشمولات سے تو کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کی زبان وبیان اور معیاری نثر سے کسی کو اختلاف نہیں اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس کی نثر میں جو سلاست وروانی اور شگفتگی پائی جاتی ہے اس کی بنیاد پر یہ کتاب اس لائق ہو گئی ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے اور اس کے بنیادی مضامین سے مستفید ہونے کے ساتھ ساتھ اس کتاب کی ادبیت سے بھی لطف اندوز ہوا جائے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

> جس دور میں شعر وادب کا زور ہوا سب اسی رنگ میں مست نظر آنے لگے جب یونانی علوم کی گرم بازاری ہوئی تو ان علوم کے آگے سارے علوم ہیچ ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کے اعزاز واحترام میں کتاب وسنت کی بساط بھی لپیٹ کر رکھ دی گئی۔ اس طرح جب تصوف کا چرچا پھیلا تو کتاب وسنت کی تعبیریں بھی اس کی روشنی میں کی جانے لگیں گویا یہ اصل ہے اور کتاب وسنت اس کی فرع ہیں۔ اب اس زمانہ کو دیکھئے تو مغربی علوم وفنون نے ہر شخص کو اس طرح مسحور کرلیا ہے کہ کسی کو ہوش ہی نہیں کہ ان کے سوا کوئی اور علم بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جس کے سیکھنے سکھانے کی ضرورت ہے اور زندگی میں اس کی بھی کوئی قدر و قیمت ہے۔ حالانکہ ہر چیز میں حق وباطل کے درمیان امتیاز کی کسوٹی وہی ہے جس کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اس کے بغیر تو یہ سارے علوم وفنون انسانیت کے حقیقی فائدہ کے نقطہ نظر سے ضرر رساں زیادہ اور مفید کم رہ جاتے ہیں لیکن ہماری تاریخ میں بہت تھوڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنھوں نے اس ہمہ گیر فتنہ کے اندر اپنے ذہنی توازن کو قائم رکھا۔ اور جو نہ تو زمانہ کا ساتھ دیتے ہوئے اتنے عاجز اور بے بس ہوئے کہ وقت کے سیلاب میں خس وخاشاک کی طرح بہہ جائیں اور نہ اتنے جامد ثابت ہوئے کہ سیلاب ان کے اوپر سے گذر جائے اور وہ اپنی جگہ ہی پتھر کی طرح پڑے رہ جائیں۔ در حقیقت یہی گنتی کے افراد ہیں جنھوں نے تمام طوفانوں اور تھپیڑوں کے اندر امت کے سفینہ کی ناخدائی کی ہے اور اس کو غرق ہونے سے بچایا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو آج ہمارے لیے یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا کہ ہماری تاریخ کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں پر جاکر ختم ہوئی۔ ہم صحرا میں کھوئے ہوئے قافلہ کے مانند ہوتے جسے کچھ پتہ نہیں کہ کدھر سے آئے ہیں اور کدھر جانا ہے۔ (۸)

مولانا اصلاحی کا ایک بڑا نمایاں اور ممتاز وصف فن خطابت ہے، جو اثر، جذبہ، جوش اور ربط مضمون کی وجہ سے ان کو اردو کے بہترین خطیبوں کی صف اول میں جگہ دیتی ہے۔ خطابت سے انہیں ابتداء ہی سے بڑی دلچسپی رہی۔ تحریک آزادی، اصلاح معاشرہ اور جماعت اسلامی سے وابستگی کے زمانہ میں انھوں نے مسلسل تقریریں کیں جس کا اثر ان کی تحریروں پر بھی ناگزیر طور پر پڑا جس سے اس میں حسن استدلال اور حسن بیان کے ساتھ اثر انگیزی میں بھی اضافہ ہوا۔ اس کا ایک دلکش نمونہ ملاحظہ ہو، مولانا اصلاحی تقویٰ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ تقوی جس کا مرکز دل ہو انسان کی زندگی کے تمام اطراف کو روشن کرے جو ہر شعبہ زندگی میں اس کو اللہ کے حدود کا پابند بنائے جس میں کامل توافق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو، کامل اعتدال ہو، جو نہ ایک قدم اللہ کی حد سے آگے بڑھنے دے نہ ایک قدم اس سے پیچھے ہٹنے پر راضی ہو۔ جو دل کو مجبور کرے کہ وہی سوچے جو سوچنا چاہئے۔ آنکھوں کو مجبور کرے کہ وہی دیکھیں جو دیکھنا چاہئے، کانوں کی نگرانی کرے کہ وہی سنیں جو سننا چاہئے۔ زبان کی حفاظت کرے کہ وہی بولے جو حق ہے اور ہاتھ پاؤں کی دیکھ بھال کرے کہ اسی راہ میں اٹھیں جو اللہ نے انسان کے لئے کھولی ہیں، بطن و فروج پر پہرہ بٹھادے یہ کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام نہ کرلیں جو خدا کی صحیح معرفت، آخرت کے سچے خوف، احکام الٰہی کے سچے جذبہ احترام کے ساتھ جو انسان کے ظاہر میں بھی اور اس کے باطن میں بھی ہو خلوت میں بھی ہو اور جلوت میں بھی، یہ تقویٰ ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو رونق و جمال بخشتا ہے۔(۹)

مولانا اصلاحی چھوٹے چھوٹے جملوں میں روانی اور برجستگی کے ساتھ بڑی بڑی باتیں لکھ جاتے ہیں۔ یہ پیرایہ بیان ایسا ہے کہ اس سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"اگر ایک شخص کعبہ جاکر بھی بتوں ہی کو یاد کرتا ہے تو وہ ہرگز اس بات کا سزاوار نہیں ہے کہ اس پر توحید کے راز کھولے جائیں۔ اگر کوئی شخص پھولوں کے اندر کانٹے ہی جمع کرنے کا شوق رکھتا ہے تو وہ ہرگز اس کا مستحق ہے کہ اس کو پھولوں کی خوشبو نصیب ہو، اگر ایک شخص اپنے فساد طبیعت کے سبب سے علاج کو بھی بیماری بنالیتا ہو تو وہ اس بات کے لائق ہے کہ شفا حاصل ہونے کے بجائے اس کی بیماری میں اضافہ ہو۔(۱۰)

۱۹۵۸ء میں مولانا نے جماعت اسلامی سے بعض اختلافات کی بنا پر علیحدگی اختیار کی۔ ان کا استعفا گو تحریک اسلامی کی تاریخ کا ایک بڑا سانحہ ہے مگر یہ اس لحاظ سے بڑا مبارک ثابت ہوا کہ اس کے بعد انھوں نے اپنی ساری سرگرمیوں کو محور و مرکز قرآن پاک کو بنایا اور ۹ رجلدوں میں تفسیر تدبر قرآن لکھی جو ان کی زندگی کا سب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عظیم الشان کارنامہ ہے اس کی قدر و قیمت اور پایہ تحقیق و تدقیق کا جائزہ میرا موضوع نہیں تاہم یہ تفسیر اپنی اہمیت و افادیت کے ساتھ ادب و انشا کا بہترین نمونہ ہے۔ مولانا اصلاحی کا قلم جس طرح رواں دواں ہے اور اس میں جس قدر اثر آفرینی اور دلکشی ہے وہ مولانا کی بعض دوسری تحریروں میں نہیں پائی جاتی، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مولانا کے اسلوب تحریر کی جتنی خوبیاں ہیں ان سب سے نقوش تدبر قرآن میں پائے جاتے ہیں تو مبالغہ نہ ہوگا مثلاً آخرت میں کام آنے والی چیزوں کے بارے میں لکھتے ہیں :

> آخرت میں کام آنے والی چیزیں وہ نیکیاں ہیں جو اس دنیا میں کرلی جائیں، خدا کی میزان میں انہی کے اندر وزن ہوگا جس نے ان کا ذخیرہ جمع کرلیا وہ فلاح پائے گا اور جو ان سے محروم رہا اس نے خواہ کتنا ہی خزانہ اکٹھا کرلیا ہو اس کی میزان بالکل بے وزن رہے گی۔ حسرت واندوہ کے سواء اس کے حصہ میں کچھ نہیں آئے گا۔(۱۱)

اثر انگیزی اور دل نشینی تحریر کی روح ہوتی ہے اس کے لئے معنی آفرینی کے ساتھ حسن خیال، لطافت بیان اور حسن ادا کی ضرورت ہوتی ہے، مولانا اصلاحی کی تحریروں میں یہ خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ وہ اپنے خیال کو لفظوں کا جامہ اس طرح پہناتے ہیں کہ ان میں ربط و تسلسل کے ساتھ وضاحت بھی ہوتی ہے مثلاً وہ ظہور قیامت کے متعلق لکھتے ہیں :

> "جس طرح رات کی تاریکی میں صبح کا کوئی نام و نشان نہیں ہوتا لیکن وقت آتا ہے کہ صبح نمودار ہو جاتی ہے وہی حال قیامت کے ظہور کا بھی ہوگا یہ دنیا رات کے مانند ہے جس کی تاریکی صبح قیامت کو ڈھانکے ہوئے ہے لیکن وقت آئے گا کہ یہ تاریکی کافور ہوگی اور قیامت اچانک نمودار ہو جائے گی۔ اللہ تعالی جو ہر روز رات کو تاریکی کے بعد دن کی روشنی دکھاتا ہے اور کسی کو بھی اس کائنات کے اس عظیم انقلاب پر تعجب نہیں ہوتا وہ جب چاہے گا قیامت کو بھی اسی طرح نمودار کردے گا اور اس وقت سب دیکھ لیں گے کہ جس چیز کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ ناممکن سمجھتے تھے وہ سامنے آگئی۔"(۱۲)

ان اقتباسات سے تدبر قرآن میں مولانا اصلاحی کے اسلوب نگارش کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں کس قدر سلاست وروانی ہے، ضرورت ہے کہ تدبر قرآن میں مولانا کی انشاء پردازی کا الگ سے جائزہ لیا جائے تاکہ ان کی ادبی رعنائی وزیبائی کا اندازہ ہوسکے۔

مولانا اصلاحی اپنی تحریروں میں تشبیہات اور استعارات سے بھی بھرپور کام لیتے ہیں اور طویل مباحث کو چند جملوں میں ادا کردیتے ہیں جس سے نفس مضمون میں اور وضاحت وقطعیت کا رنگ نمایاں ہوجاتا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

جوبات قانون کی کتاب میں ایک شاخ بریدہ نظر آتی ہے وہی بات قرآن مجید میں ایک سرو رعنا کی طرح نظر آئے گی۔...... قرآن فقہی احکام کو ہمیشہ دین کی اصولی تعلیمات کے ساتھ ملا کر بیان کرتا ہے وہ کبھی تو فروع سے اصول کی طرف بڑھتا ہے جس کی مثال سورہ احزاب وغیرہ میں ملتی ہے۔اور کبھی اصول سے فروع کی طرف اترتا ہے جس کی مثال سورہ جمعہ میں موجود ہے اور کبھی اصول کو اجزاء وفروع کے درمیان ایک آفتاب تاباں کی طرح رکھ دیتا ہے جس کی بہترین مثال سورہ نور میں موجود ہے۔(۱۳)

ارباب نظر جانتے ہیں کہ ادبی موضوعات پر دلآویزی، رنگینی اور رعنائی کی گنجائش مشکل بات نہیں ہے مگر انشاپردازی کا کمال یہ ہے کہ غیر ادبی تحریروں میں بھی ادب وانشا کی لالہ کاری اور عطر بیزی پیدا ہوجائے۔ مولانا اصلاحی نے علمی، تحقیقی، مذہبی، دینی اور فقہی موضوعات میں بھی ادب وانشاء کا رنگ باقی رکھا ہے۔ یہ ان کی انشاپردازی اور ادبیت کا کمال ہی ہے کہ شرک وتوحید کے خشک موضوع پر بھی ان کے قلم میں ادبیت کی شان پیدا ہوجاتی ہے مثلاً اپنی کتاب حقیقت شرک میں وہ لکھتے ہیں:

"سب سے پہلی چیز جو ہماری نظر کو متوجہ کرتی ہے وہ اس کائنات کا حسن وجمال ہے جو ہر گوشہ میں جلوہ آراء ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا کی کوئی چیز بھی سادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وبے رنگ نہیں ہے۔ آسمان سے لے کر زمین تک کوئی چپہ ایسا نہیں ہے جہاں سے انسان غافل وبے پروا گزر سکے ہر جگہ اس کے دل کو کھینچنے اس کی آنکھوں کو بیدار کرنے اور کانوں کو کھولنے کے لئے دلفریب مناظر بے حجاب جلوے اور شیریں نغمے موجود ہیں اور ساتھ ہی انسان کے اندر حسن کا نہایت گہرا احساس ودیعت کیا گیا ہے اسی وجہ سے جب وہ اپنے ارد گرد حسن وجمال کے یہ بو قلموں جلوے دیکھتا ہے دفعتاً اس کے اندر ان کے صانع کے متعلق سوال پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ یہ تصور کرنے سے قاصر ہے کہ اتنی دلفریبیوں سے یہ معمور دنیا خود بخود وجود میں آ گئی۔"(۱۴)

مولانا اصلاحی نے اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام کے نام سے ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھی ہے جس میں ان کا اشہب قلم اپنی جولانیاں دکھلاتا ہوا محسوس ہوتا ہے ۔ عورت کے متعلق یورپ کے خیالات پر روشنی ڈالتے ہوئے دیکھئے کتنے لطیف انداز میں تنقید کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

عورت کا حسن وجمال ان لوگوں کے نزدیک چھپانے کی چیز نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ نمایاں کر کے سامنے لانے کی چیز ہے تاکہ لوگ اس کے حسن وجمال میں قدرت کی صنعت گری کے تماشے دیکھ سکیں۔ پردہ ان لوگوں کے خیال میں ایسے لوگوں کی ایجاد ہے جو خود اخلاقی اعتبار سے پست تھے۔ انھوں نے اپنی کمزوریوں کو مغلوب کرنے کے بجائے الٹے عورتوں کو گھروں کی چہار دیواری کے اندر بند کر دیا۔ ان حضرات نے علمی وتاریخی تحقیقات سے پتہ چلایا ہے کہ اسلام کے دور اول میں عورتیں آرٹ سیلون بنا بنا کر بیٹھتی تھیں اور ان کے ارد گرد شعراء، ادبا، بذلہ سنج اور لطیفہ گو بھانڈ اور گوئے اکٹھے ہوتے تھے اور وہ ان سب کی رہنمائی اور سرپرستی فرماتی تھیں۔ ان لوگوں کی یہ بھی تحقیق ہے کہ اس عہد کی عورتیں برقعوں اور نقابوں میں لپٹی رہنے کے بجائے اپنے حسن وجمال کے آئینہ میں لوگوں کو اللہ کی قدرت وصناعی کی

© rasailojaraid.com